ترجمہ قرآن، فتح الرحمٰن کا پس منظر

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ☆

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی شخصیت ان اوصاف و کمالات سے عبارت تھی جن سے علم وفن کا ایک تازہ جہاں آباد ہوتا ہے۔ ارباب نظر جانتے ہیں کہ اس نابغہ روزگار شخصیت نے انتہائی نامساعد حالات میں ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے جن سے آج بھی خاکِ ہند منور ہے اور جن کا آوازہ و شہرہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں بلند ہوا، ان کا ترجمہ و تحشیہ قرآن فتح الرحمٰن ان کے ایسے ہی عظیم الشان کارناموں میں سے ایک ہے۔

ترجمہ فتح الرحمٰن کا آغاز ۱۱۴۳ھ میں ہوا اور ۱۱۵۱ھ میں وہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس وقت سے آج تک یہ اہل علم و دانش اور ارباب نگاہ کی توجہ و التفات کا مرکز رہا، خود شاہ صاحب کے عہد میں علماء نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا۔(۱) ماضی قریب کے اہل علم، محققین اور مفسرین میں بھی یہ بہت مقبول و متداول اور قابل قدر رہا، مشہور اہل قلم مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی نے شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ قرآن کو ان کی سب سے بڑی خدمت قرار دیا ہے۔(۲) مولانا عبدالماجد دریابادی، شیخ محمد اکرام اور مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی وغیرہ نے بھی شاہ صاحب کی اس خدمت قرآن کو زبردست خراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے۔(۳)

شاہ صاحب کا یہ کارنامہ اس لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے کہ اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک بڑے تفرقے سے بھی محفوظ رکھا، بعض دوسرے ممالک مثلاً مصر وغیرہ میں جب ترجمہ قرآن کی کوشش ہوئی تو اس کے جواز و عدم جواز پر بڑی لے دے اور معرکہ آرائی ہوئی، شاہ صاحب کی وجہ سے یہ فتنہ یہاں نہ اٹھ سکا، مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:-

> آج کل مصر میں قرآن پاک کے ترجمے پر بڑے جھگڑے برپا ہیں، ایک فریق اس کو ناجائز کہتا ہے اور دوسرا اس کو واجب بتاتا ہے، اس پر فریقین نے رسائل اور مضامین لکھے ہیں، خدا رحمت بھیجے حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب اور ان کے خاندان پر کہ انہوں

☆ ادب کدہ، مہراج پور، انور گنج، اعظم گڑھ-۲۷۶۰۰۱ (یو-پی-انڈیا)

نے فارسی اور ہندوستانی میں قرآن پاک کا ترجمہ فرما کر ہندوستان کے مولویوں کو اس جھگڑے سے بچا لیا ورنہ عجب نہیں کہ یہاں جواز و عدم جواز سے بڑھ کر شاید کفر و اسلام کا معیار قرار پا جاتا۔(۴)

شاہ صاحب کے بعض سوانح نگار اور بعض مغربی مؤرخین مثلاً فری لینڈ ایبٹ وغیرہ نے فتح الرحمٰن کی شدید مخالفت کا ذکر کیا ہے۔(۵) حتیٰ کہ اس کی پاداش میں شاہ صاحب کے پہونچے اتروانے(۶) اور ان کے قتل کی سازش اور کوشش کو بڑے مرتب انداز میں قلم بند کیا ہے۔(۷) مگر ان واقعات کی حیثیت افسانے سے زیادہ نہیں، اس لئے ان کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

فتح الرحمٰن بہ ظاہر ترجمہ وتحشیہ قرآن ہے، مگر اصلاً یہ شاہ صاحب کی قرآن فہمی کی تحریک کا ایک بنیادی حصہ ہے جو معاصر حالات و واقعات کے پس منظر میں وہ برپا کرنا چاہتے تھے۔

شاہ صاحب کا عہد (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) ہندوستان کی تاریخ میں خاص طور سے مسلمانوں کے لئے انتہائی نازک اور ابتر تھا، وہ سیاسی زوال کے ساتھ علمی، دینی، اخلاقی اور معاشرتی انحطاط و زوال سے بھی دوچار تھے، غالباً اسی لیے بعض مؤرخین نے اسے دور طوائف الملوکی سے تعبیر کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے دس بادشاہوں کی تخت نشینی، حصول اقتدار کے لئے خون ریزی، مراٹھوں، سکھوں اور نادر شاہ کے حملوں نے ملک کی چولیں ہلا دی تھیں، جس کی وجہ سے معاشرتی زندگی کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا، جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے اس عہد کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی و اخلاقی انحطاط و زوال اور اس کے اسباب کا مفصل جائزہ لیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے،(۸) مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:-

> اس عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات اور شدید تاریخی انقلابات سے گزرنا پڑا اور مسلسل جو فتنے پیدا ہوئے عموماً لوگ اس سے واقف ہیں، بارہہ کے سادات جو بادشاہ گر بھائیوں کے نام سے تاریخ میں یاد کیے جاتے ہیں، ان کا تسلط، فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں قید میں بصد بیکسی مرنا، پھر دوبارہ تورانی امراء کے ہاتھوں ان سادات کا زوال، مرہٹوں کی سرکشی کا انتہائی عروج، سکھوں کا خونی فتنہ، نادر شاہ کا قتل عام، ابدالی کا پانی پت میں ایک فیصلہ کن جنگ کے ذریعہ ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دینا، روہیلوں کا ہندوستان کی سیاست میں شریک ہونا ایرانی اور تورانی امراء کی باہمی کشمکش مغربی قوموں کا بتدریج ملک کی سیاست میں دخیل ہوتے چلے جانا، انگریزوں کا اقتدار بنگال اور مدراس

کے بعض علاقوں پر قائم ہونا، تقریباً یہ سارے واقعات شاہ ولی اللہؒ کی زندگی میں پیش آئے"۔ (۹)

یہ شاہ صاحب کے عہد کی سیاسی تصویر تھی، اس عہد کے مسلمانوں کی علمی و دینی اور معاشرتی صورت حال مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:-

مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ جا بہ جا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا، فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب، احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔ (۱۰)

شاہ صاحبؒ اپنے عہد کے ان حالات سے پوری طرح باخبر تھے، ان کی تصنیفات و تالیفات بالخصوص مکاتیب ان کی باخبری کی شہادت دیتے ہیں، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی بھلائی اور خیرخواہی کے لیے نہ صرف سیاسی طور پر تدبیریں کیں (۱۱) بلکہ علمی و دینی اور معاشرتی اصلاح و ترقی کے لئے بھی وہ مدۃ العمر کوشاں رہے، فتح الرحمٰن بھی ان کی اسی کوشش و کاوش کا حصہ ہے، وہ لکھتے ہیں:-

دریں زمانہ کہ مادر آنیم و دریں اقلیم ما ساکن آنیم نصیحت مسلمانان اقتضا می کند کہ ترجمہ قرآن عظیم بہ زبان فارسی و روزمرہ متداول بدون تکلف و فضیلت نمائی و تصنع و عبارت آرائی و بغیر تعارض قصص مناسبہ و بغیر ایراد و توجیہات متشعبہ تحریر کردہ شود تا خواص و عوام ہمہ یکساں فہم کنند و صغار و کبار بیک وضع ادراک نمایند لہذا ایں فقیر را داعیہ ایں امر خطیر بخاطر ریختند و خواہ مخواہ برسر آں آوردند" (۱۲)۔

ہم لوگ جس زمانہ اور جس ملک میں رہتے ہیں اس میں مسلمانوں کی خیرخواہی کا اقتضا یہ ہے کہ قرآن عظیم کا ترجمہ فارسی زبان میں ایسا سلیس اور روزمرہ کے مطابق کیا جائے جو تکلف و تصنع اور عبارت آرائی سے خالی ہو اور اس میں قصوں، حکایتوں اور مختلف النوع توجیہات سے بھی سروکار نہ ہو تاکہ عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سب ہی اس کا ادراک کرلیں، اس لیے اس اہم اور نازک کام کا داعیہ فقیر کے دل میں پیدا ہوا اور بہرطور یہ انجام پایا۔

فتح الرحمٰن سے پہلے بھی قرآن پاک کے متعدد ترجمے ہو چکے تھے(١٣) اور وہ شاہ صاحبؒ کی نظر میں بھی تھے لیکن وہ آسانی سے دستیاب نہ تھے اور نہ وہ شاہ صاحبؒ کے معیار و مذاق کے مطابق تھے اس لیے انہوں نے ایک نئے ترجمے کی ضرورت محسوس کی، وہ لکھتے ہیں:-

لیک چند در تفحص ترجمہا ہفتادتا ہر کرا از تراجم بہ میزان کہ بخاطر مقرر شدہ است مناسب باید در ترویج آں کوشد وکیف ما امکنہ پیش اہل عصر مرغوب نماید، در بعض تطویل مخل یافت و در بعض تقصیر مخل و ہیچ یک موافق آں میزان نیفتاد لا جرم عزم تالیف ترجمہ دیگر مصمم شد وتسوید ترجمہ زہراوین برروئے کار آمد"۔(١٤)

میں نے پہلے غور و خوض سے چند ترجموں کو دیکھا تاکہ ان میں سے جو ترجمہ میرے مقررہ معیار اور موجودہ دور کے مطابق ہو اس کی ترویج کی فکر و کوشش کی جائے مگر بعض ترجموں میں تطویل و اطناب تھا اور بعض میں خلل انداز تقصیر و اختصار، کوئی بھی اس معیار کا نہ تھا جو مطلوب تھا اس لئے میں نے ترجمہ کی تالیف کا عزم مصمم کر لیا اور ترجمہ شروع کیا۔

شاہ صاحبؒ کے پیش نظر چونکہ ہر طبقے اور ہر درجے کے لوگوں کی اصلاح مقصود تھی اور وہ ہر شخص تک قرآن کی تعلیمات پہنچا کر معاشرے میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے شعوری طور پر ترجمہ قرآن میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ وہ ان تمام لوگوں کے لیے مفید اور کارآمد ہو، وہ فتح الرحمٰن سے جن لوگوں کو فیض یاب کرنا چاہتے تھے، اس میں گو عوام بھی ہیں اور خواص بھی، بچے بھی ہیں اور بوڑھے بھی، اہل علم بھی ہیں اور کم پڑھے لکھے لوگ بھی، تاجر بھی ہیں اور ملازم پیشہ بھی، تاہم سادہ لوح بچوں کی تعلیم پر ان کی خاص نظر تھی، وہ لکھتے ہیں:-

و مرتبہ ایں کتاب بعد خواندن متن قرآن و رسائل مختصر فارسی است تا فہم لسان فارسی بے تکلف دست دہد و بہ تخصیص صبیان اہل حرف و سپاہیان کہ توقع استیفاء علوم عربیہ ندارند در اوّل سن تمیز ایں کتاب را بہ ایشاں افتند معانی کتاب اللہ باشد و سلامت فطرت از دست نہ رود وسخن ملاحدہ کہ بہ مرقع صوفیاء صافیہ مسترشدہ عالم را گمراہ میارند فریفتہ نہ کند واراجیف معقولیاں خام، وسخن ہنود بے انتظام لوح سینہ را ملوث نہ سازد و نیز آناں کہ بعد انقضا رشطر عمر توفیق توبہ پایند"۔(١٥)

متن قرآن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد جب فارسی زبان بے تکلف سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اس ترجمہ کو شروع کرانا چاہئے، بالخصوص تاجر پیشہ اور سپاہیوں

کے بچوں کو سن شعور کو پہنچنے کے ساتھ ہی اس کی تعلیم دینی چاہئے کیونکہ ان سے یہ امید نہیں کہ وہ علوم عربیہ کی مکمل تحصیل کریں گے تاکہ ان کے دلوں میں جو چیز سب سے پہلے جاگزیں ہو وہ کتاب اللہ کے معانی و مطالب ہوں جس سے ان کی فطری سلامتی باقی رہے اور وہ ملاحدہ کی باتوں کے دلدادہ نہ ہوں گے جو پاک باز صوفیاء کے خدوخال کو داغدار کرتے ہیں، خام عقلیت پسندوں اور غیرمسلموں کی پست اور بے ہودہ باتوں سے محفوظ رہیں اور ان کے افکار و باطل خیالات کی آلودگیوں سے ان کا قلب ملوث نہ ہوگا اور نصف عمر گزرنے کے بعد انہیں توبہ کی توفیق میسر آئے گی۔

شاہ صاحبؒ کے عہد میں معاشرے پر تصوف کا بڑا غلبہ تھا خود شاہ صاحبؒ کا گھر بھی تصوف و سلوک کا گہوارہ تھا مگر اس دور میں نام نہاد صوفیوں کی بھرمار اور ان کی غیر صوفیانہ تعلیمات معاشرے خصوصاً بچوں کو متاثر کر رہی تھیں، شاہ صاحب اس کا تدارک بھی فتح الرحمٰن کے ذریعہ کرنا چاہتے تھے جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہے۔

اسی طرح شاہ صاحبؒ کے عہد میں معقولی علماء کا دور دورہ تھا، نصابِ تعلیم میں کتاب و سنت کی تعلیم برائے نام تھی اور اصل زور منطق و فلسفہ پر تھا اس کی وجہ سے بھی بعض خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسلم معاشرہ غیرمسلم افکار و خیالات کی زد پر تھا، شاہ صاحبؒ کے نزدیک ان تمام باتوں کا ازالہ قرآنی تعلیمات میں مضمر تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ سادہ لوح بچوں کے دلوں میں ابتداء ہی میں احکامات ربانی اور تعلیمات قرآنی نقش کالحجر کر دینا چاہتے تھے تاکہ ان کے دل و دماغ ہر طرح کے وساوس سے محفوظ اور نورِ قرآنی سے معمور ہو جائیں۔

شاہ صاحبؒ کا خیال تھا کہ فتح الرحمٰن بچوں کے علاوہ ان لوگوں کے لئے بھی مفید ہوگی جو تحصیلِ علم سے فراغت پا چکے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

لیکن امیدواری از فضل حضرت باری آنست کہ ایں جماعت نیز اگر دریں کتاب نظر کنند تحت لفظ قرآن پیش ایشاں روشن تر شود و بر مختارات از نحو و شرح غریب و غیر آں اطلاع یابند دبسا فائدہ کہ پیش از مطالعہ آں نشنیدہ و ندیدہ باشند بتازگی استفادہ نمایند۔[۱۶]

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ وہ جماعت بھی جو نصاب اور درسیات کی تکمیل کر چکی ہے جب اس کا بغور مطالعہ کرے گی تو انہیں بھی بہت کچھ روشنی ملے گی اور بہت سی چیزوں سے آگاہی ہوگی اور اس کے مطالعہ سے پہلے جو چیز نہ سنی تھی اور نہ دیکھی تھی

وہ سامنے آئے گی اور وہ ان سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرے گی۔

معاشرے اور فکرِ معاش کے تعلق سے بھی اس ترجمہ کو شاہ صاحبؒ ضروری تصور کرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

> و سائر ابنائے روزگار کہ اکثر اوقات بہ شغل معاش مشغول اند در وقت فراغ باید کہ با یک دیگر حلقہ حلقہ بہ نشینند و کسے کہ برعبارت فارسی قدرت داشتہ باشد و از فن تفسیر بہرہ یافتہ یاہر عزیزی کہ ایں ترجمہ را گزرا نیدہ بود بقدر وسعت وقت یک دوسورہ ہا ترجمہ آں بترتیل و تبیین وقوف برکلام تام بخواند تاہمہ بشنوند و بہ معانی آں محظوظ شوند و تشبہی پیدا کردہ باشند باصحابہ کرامؓ کہ بہ ہمیں دستور حلقہ حلقہ می نشستند و قاری ایشاں قرأت می کرد"۔(۱۷)

> اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا زیادہ وقت فکر معاش میں گزرتا ہے ان لوگوں کو چاہئے کہ فرصت کے وقت حلقے بنا کر بیٹھیں اور جس شخص کو فارسی عبارت پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد ہو اور اسے تھوڑا بہت فن تفسیر کا ذوق ہو یا جس عزیز کی نظر سے یہ ترجمہ گزر چکا ہو، وہ گنجائش کے لحاظ سے ایک دو سورہ کا ترجمہ صفائی و روانی اور ترتیل کے ساتھ سمجھ کر پڑھے تاکہ سب لوگ اسے سن کر اس کے معانی و مفہوم سے لطف اندوز ہوں اور صحابہ کرامؓ سے تشبہ پیدا کیا جائے کیونکہ وہ اسی طرح حلقوں میں بیٹھتے تھے اور قاری ان کے سامنے قرأت کرتا تھا۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ ترجمہ عام لوگوں سے تعلق اور ان کے فائدے کے لیے کیا گیا ہے اور یہ لوگ اعراب کے مختلف وجوہ، کلام کی مکمل توجیہات اور قصص کے استیعاب وغیرہ کے متحمل نہیں ہوتے اس لیے ان بحثوں سے تعارض نہیں کیا گیا ہے، رہے وہ لوگ جو علوم آلیہ سے واقف ہیں تو ان کو اس کے مطالعہ سے ان علوم میں تعمق کا داعیہ پیدا ہوگا اور وہ مدۃ العمر ان میں مصروف رہیں گے۔ یہ میرا مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے تھوڑا بہت علم تفسیر سیکھا ہے، ان کے لیے یہ معمولی علم و واقفیت علوم آلیہ میں مکمل دستگاہ کے بعد بھی ممدومعاون ہوتی ہے اور اگر علوم آلیہ میں وہ دستگاہ نہ بھی حاصل کر سکے تب بھی گوہر مقصود ہاتھ لگے گا اور وہ بالکل ہی خسارے میں نہ رہیں گے۔(۱۸)

چونکہ شاہ صاحبؒ کے عہد میں مجلسوں میں عموماً مثنوی مولانا روم، گلستاں بوستاں، منطق الطیر اور

مولانا جامی کی نفحات الانس وغیرہ پڑھی جاتی تھیں، اس لئے شاہ صاحبؒ نے ان کے حوالہ سے یہ دلیل دی کہ:-

''جس طرح مثنوی مولانا روم، شیخ سعدی کی گلستاں بوستاں، شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر، قصص فارابی، مولانا جامی کی نفحات الانس اور اسی طرح کی دوسری کتابیں مجلسوں میں پڑھتے ہیں کیا اچھا ہوتا اگر اسی طرح وہ قرآن کریم کے اس ترجمہ کو آپس میں پڑھیں اور اس کی تفہیم سے شغل خاطر کریں، اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام سے اشتغال تھا تو یہ کلام اللہ سے اشتغال ہے، اگر وہ حکماء کے مواعظ تھے تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں، اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات تھے تو یہ رب العزت کے مکتوبات ہیں اور دونوں کے مراتب میں کس قدر عظیم الشان فرق ہے''۔ (۱۹)

شاہ صاحب کے نزدیک چونکہ ترجمہ قرآن سے معاشرے کی اصلاح مقصود تھی، اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو قرآنی احکامات و ہدایات سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا، ان کا خیال تھا کہ وہ شخص مسلمان کہلانے کا کیسے حقدار ہے جو قرآن کے مدلول کو نہ سمجھ سکے، وہ لکھتے ہیں:-

اگر انصاف دہی فائدہ اصلی از نزول قرآن الفاظ است بمواعظ آں را بہ بیند است بہ ہدایت آں نہ صرف تلفظ بر آں اگرچہ تلفظ آں ہم مغتنم است پس چہ مسلمانی بدست آوردہ است کسے کہ مدلول قرآن را نہ فہمد و کدام حلاوت دارد آں کے مضمون کلام اللہ را نہ داند''۔ (۲۰)

اگر انصاف سے دیکھو تو قرآن پاک کا نزول موعظت و ہدایت ہی کے لیے ہوا ہے، اس کے الفاظ کا پڑھنا بھی غنیمت ہے، گو وہ فی نفسہٖ مقصود نہیں اس شخص کے حصہ میں بھلا کیا اسلام کی حقیقت آئے گی جو قرآن مجید کے مفہوم کو نہ سمجھے اور اس کو کیونکر حلاوت مل سکتی ہے جو اس کے مضمون سے ناواقف ہو۔

شاہ صاحب قرآن پاک سے مسلمانوں کا رشتہ براہ راست جوڑنا چاہتے تھے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے، انہی کے ذریعہ ہندوستان میں قرآن اور قرآنی علوم سے عام استفادے کا رواج ہوا اور ان کی اسی قرآنی تحریک کے نتیجے میں ان کے لائق فرزندوں اور شاگردوں نے قرآن پاک کو مدۃ العمر سینے سے لگائے رکھا اور علوم قرآنیہ کی ترویج و اشاعت میں سرگرداں رہے، مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے کہ:-

ہندوستان میں قرآن فہمی کا یہ چرچا آج جو کچھ نظر آ رہا ہے اور یہ اُردو، انگریزی اور

دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شائع ہو رہے یا ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں گے ان سب کے اجر کا جزو اعظم یقیناً شاہ صاحبؒ کے حسنات میں لکھا جائے گا، یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے''۔(۲۱)

فتح الرحمٰن کی خصوصیات ہمارا موضوع نہیں تاہم اس خصوصیت کا ذکرضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قاری کی نفسیات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، معنی و مفہوم واضح طور پر قلم بند کئے گئے ہیں نہ اس قدر اطناب ہے کہ تھکا دے اور نہ اس قدر ایجاز کہ اصل مفہوم تک رسائی ناممکن ہو، شاہ صاحب نے غالباً یہ طریقہ کار بھی اپنے خاص مطمح نظر ہی کی بناء پر روا رکھا ہے، ان چند باتوں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ فتح الرحمٰن کی تالیف و تدوین کے پس منظر میں جو بنیادی مقصد پوشیدہ ہے وہ قرآن فہمی کا عام کرنا اور معاشرے میں قرآنی تعلیمات کے ذریعہ انقلاب برپا کرنا تھا۔

حوالہ جات

۱۔ مقدمہ فتح الرحمٰن، ص ۳، مخطوطہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ

۲۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ، ص ۲۵۸

۳۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، شاہ ولی اللہ نمبر، ص۱۳، رود کوثر، ص ۵۵۱، دہلی، ۱۹۹۹ء تاریخ دعوت و عزیمت، ج۵، ص۱۴۵، مجلس تحقیقات و نشریات، اسلام، لکھنؤ۔

۴۔ ابوالحسن علی ندوی، شذرات سلیمانی حصہ سوم، ص ۱۱۹-۱۲۰۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۸ء

۵۔ رحیم بخش دہلوی، حیات ولی، ص۴۱۹-۴۲۱، لاہور ۱۹۵۵ء، شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۵۵۲، دہلی ۱۹۹۹ء، پروفیسر رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۲۶۴۔ لاہور ۱۹۶۱ء، جائزہ تراجم قرآنی ص ۹۹-۱۰۱۔ دیوبند ۱۹۶۸ء- سلطنت مغلیہ کا زوال بحوالہ ماہنامہ الرحیم حیدرآباد مئی ۱۹۶۴ء، ص۶۹۔

۶۔ امیرالروایات ص۳۳ بحوالہ قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں ص ۱۷۰، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۵ء۔

۷۔ حیات ولی ص ۴۱۹-۴۲۱

۸۔ ماہنامہ الرحیم حیدرآباد، جولائی اگست، ستمبر، نومبر ۱۹۶۶ء

۹۔ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص۱۰۲

۱۰۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۲۸ء، ص ۳۴۱

۱۱۔ ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات از پروفیسر خلیق احمد نظامی-دہلی ۱۹۶۹ء

۱۲۔ مقدمہ فتح الرحمٰن، ص۲

۱۳۔ قرآن مجید کے قدیم فارسی تراجم-ماہنامہ الرحیم، مارچ ۱۹۶۵ء، ص ۳۳-۴۳
۱۴۔ مقدمہ فتح الرحمٰن، ص ۲
۱۵۔ ایضاً، ص ۴
۱۶۔ ایضاً، ص ۶
۱۷۔ ایضاً، ص ۵
۱۸۔ ایضاً، ص ۶
۱۹۔ ایضاً، ص ۵
۲۰۔ ایضاً، ص ۵-۶
۲۱۔ الفرقان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نمبر، ص ۱۳